حمد کے سوا کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔

سب سے بڑا وظیفہ نماز ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:۔

کچھ دیر پہلے تک تو یہی خیال تھا کہ آج کسی اجتماع کا اعلان نہیں کرنا پڑے گا لیکن جب میں جمعہ پر آ رہا تھا تو بنگال سے اطلاع ملی ہے کہ مجلس انصار اللہ چٹا گانگ کا اجتماع آج 10ر دسمبر کو منعقد ہو رہا ہے اور زعیم اعلیٰ نے خصوصی طور پر دعا میں یاد رکھنے کی درخواست کی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو اور اقتباسات سے میں آج کے خطبے کا آغاز کرتا ہوں۔ جو ذکرِ الٰہی کے سلسلے میں ہی ہیں۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

”پیغمبر ﷺ کے اعمال خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمال صالحہ کے بجائے قسم قسم کے ذکر اذکار نکال لینا یہ لذتِ روح کے لئے نہیں ہے بلکہ لذت نفس کی خاطر ہے۔ لوگوں نے لذتِ نفس اور لذتِ روح میں فرق نہیں کیا اور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اگر لذتِ نفس (یعنی نفسانی مزے جو ہر دنیاوی چیز سے انسان اٹھا سکتا ہے) اور لذتِ روح ایک ہی

چیز ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ ایک بدکار عورت کے گانے سے بدمعاشوں کو زیادہ لذت آتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟''

اگر یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں تو بدکار عورت کے گانے پر نیک لوگوں کی بجائے بدمعاشوں کو کیوں زیادہ مزا آتا ہے۔ ''کیا ان میں لذت روح اٹھانے کا زیادہ مادہ پایا جاتا ہے؟'' بہت ہی عمدہ اور بڑی آخری ناطق دلیل آپ نے پیش فرمائی ہے۔

''کیا وہ لذت نفس کی وجہ سے عارف باللہ اور کامل انسان مانے جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ جن لوگوں نے خلافِ شرع اور خلاف پیغمبر ﷺ راہیں نکالیں ہیں ان کو یہی دھوکہ لگا ہے کہ وہ نفس اور روح کی لذت میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ ان بیہودگیوں میں روح کی لذت اور اطمینان نہ پاتے ان میں نفسِ مطمئنہ نہیں ہے جو بلھے شاہ کی کافیوں میں لذت کے جویاں ہیں۔ روح کی لذت قرآنِ شریف سے آتی ہے۔''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ: ۶۳)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''ہم جس خدا کو جانتے ہیں اس کی عبادت اور پرستش کے لئے نہ تو ان مشقتوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی مورتی کی حاجت ہے اور ہمارے مذہب میں خدائے تعالیٰ کو حاصل کرنے اور اس کی قدرت نمائیوں کے نظارے دیکھنے کے لئے ایسی تکالیف کے برداشت کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ بلکہ وہ اپنے سچے پریمی بھگتوں کو آسان طریق سے جو ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے بہت جلد ملتا ہے۔ انسان اگر اس کی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو وہ دو قدم اٹھاتا ہے۔ انسان اگر تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر اس کے ہردے میں پرکاش کرتا ہے۔''

پھر جہاں تک بہترین وظیفے کا تعلق ہے اکثر لوگ، زیادہ تر ان میں غیر احمدی دوست ہیں۔ جو مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں کوئی مؤثر وظیفہ بتائیں کوئی ایسا وظیفہ جو ہمارے سارے بگڑے کام بنا دے۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سوال کے جواب میں کہ بہترین وظیفہ کیا ہے۔ فرمایا۔

”نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے استغفار ہے اور درود شریف، تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے ہم و غم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اسی لئے فرمایا ہے۔ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (یعنی خبر دار اللہ ہی کے ذکر سے دل طمانیت پاتے ہیں۔) اطمینان و سکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

لوگوں نے قسم قسم کے ورد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنحضرت ﷺ کی شریعت کے مقابلہ میں بنادی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ان وظائف اور اوراد میں (یعنی ورد کا جمع ہے اوراد) دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اپنے اوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔

میں نے مولوی صاحب سے سنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والے کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ (مولوی صاحب سے مراد حضرت خلیفۃ المسیح الاول حکیم مولوی نور الدین ہیں۔ جب حضرت مسیح موعودؑ محض مولوی صاحب کہتے ہیں تو سب سے نمایاں طور پر آپ کا نام ذہن میں ابھرتا ہے اور وہ ہی مراد ہوتے ہیں۔) میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور

مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہئے گا تو اسی سے حل ہوجائیں گی۔

نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ:310,311)

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا ذکر کا طریق کیا تھا اور ذکر کے تعلق میں کیا نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اب میں احادیث کی روشنی میں اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہوں۔

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وعلی آله وسلم یقول افضل الذکر لا اله الا الله وافضل الدعاء الحمد لله" (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر:۳۳۰۵)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اکرم ﷺ کو سنا یہ کہتے ہوئے کہ سب سے افضل ذکر لا اله الا الله ہے۔ وافضل الدعاء الحمد لله اور دعاؤں میں سے اعلیٰ دعا الحمد لله ہے۔

یہاں افضل الذکر لا اله الا الله جو قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق میں پہلے توحید کے مضمون پر خطاب کرتے ہوئے روشنی ڈال چکا ہوں۔ دراصل اس میں ہر قسم کا منفی اظہار بھی شامل ہے جو ذکر کے ساتھ ضروری ہے یعنی لا اله الا الله میں اور ہر قسم کا مثبت اظہار بھی شامل ہے جو ذکر کے لئے ضروری ہے۔ منفی ان معنوں میں کہ خدا سوا جتنے تعلقات ہیں ان سب کی نفی کردی جائے۔ اور ہر قسم کے معبود کی نفی لا اله میں نفی جنس ہے اور اور بھی نفی کے سب مضامین شامل ہیں۔

الـه کہتے ہیں ایسا وجود جس کے سامنے انسان اپنی انا کو جھکا دیتا ہے۔ اور توڑ دیتا ہے ہر دوسرے تعلق میں انا کا کوئی نہ کوئی پہلو باقی رہتا ہے اور بعض موقع انسان اختلاف کی صورت میں کہتا ہے اچھا جاؤ بھاڑ میں جاؤ تم ادھر اور میں ادھر۔ لیکن معبود کے ساتھ تعلقات میں یہ تعلق قطع کرنے کا کوئی امکان داخل نہیں ہے کیونکہ انا توڑ کر یہ تعلق رکھا جاتا ہے۔ تبھی اس کا اعلیٰ نشان سجدے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ انسان اپنے وجود کو ماتھے کو مٹی میں ملا کر اور اپنے وجود کو زمین پر پھینک کر بتاتا ہے

کہ میں کچھ بھی نہیں رہا میرا سب کچھ مٹ گیا ہے۔

دوسرا الٰہ میں محبت کا مضمون بھی پایا جاتا ہے۔ خواہش کی انتہاء کا تو ایسا وجود جس کے ساتھ تمام تر محبتیں وابستہ ہوں تمام تمنائیں وابستہ ہوں تمام خواہشات کا مرجع ومنبع ہو ایسے وجود کو بھی الٰہ کہا جاتا ہے۔ پس الٰہ سے ملتا جلتا لفظ ہی خواہشوں کے لئے عربی میں پایا جاتا ہے۔ تو لا الہ کا مطلب یہ بنا کہ کوئی بھی ایسا وجود نہیں۔ جس کے سامنے میں نے اپنی انا توڑی ہو اور اپنے وجود کو مٹا دیا ہو اس طرح کہ میری کوئی حیثیت نہیں اور میں اس بے حیثیتی میں دوسرے کے سامنے جھک گیا ہوں۔ اور اس کی ہر بات کو تسلیم کروں گا۔ خواہ وہ خدا کی طرف سے ہو یا نہ ہو اور نہ محبت ایسے وجود سے رکھتا ہوں جس کے بعد میری ساری محبتیں تمام تر اس کے لئے ہو جائیں اور کسی اور کی محبت کی براہِ راست گنجائش باقی نہ رہے۔ یہ جو براہ راست کا لفظ میں نے داخل کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب ہم آگے بڑھیں گے ذکر کے مضمون میں تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم انسانی تعلقات میں محبت کی نفی نہیں فرماتے مگر اس کو ایسے رنگ میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت اس کے مقابل پر نہیں رہتی۔ اس میں شامل ہو کر وہ محبت ظاہر ہوتی ہے۔ تو جب وہ موقع آئے گا تو آپ اس کو سنیں گے۔

پس یہ کہنا درست ہے کہ الٰہ میں ہر قسم کی محبتوں کا مرکز کا مضمون پایا جاتا ہے اور ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا تیری محبت کے سوا ہماری کوئی محبت باقی نہیں رہی۔ ایسا وجود ہے جس کے سامنے جب جھکتے ہیں۔ تو خوف سے بھی جھکتے ہیں، طمع سے بھی جھکتے ہیں۔ ہر قسم کی تمنائیں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں ہر قسم کے تعلقات اس سے باندھے جاتے ہیں۔ تو ان سب کی اللہ کے سوا نفی کر دینا یہ سب سے بڑا ذکر ہے۔ ذکر کا ایک پہلو یعنی۔ اور پہلو سے تفصیل سے میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ کہنے کو تو چھوٹی سی بات ہے یعنی تھوڑے وقت میں کہی جا سکتی ہے۔ مگر غور کریں تو ساری زندگی غور کریں اور تلاش کرتے رہیں آپ کو کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی قسم کے الٰہ ملتے ہی رہیں گے۔ جن کے سامنے آپ نے سر جھکایا ہو گا یا جن کی محبت سے آپ وابستہ ہو گئے ہوں گے اور اس میں اللہ کی محبت کا دخل نہیں ہو گا۔

پس مضمون بہت وسیع ہے اور ساری زندگی پر چھایا ہوا ہے اور ہر دفعہ ذکر کے وقت اس پہلو کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ لا الٰہ الا اللہ کا مضمون صادر نہیں ہوتا یعنی اطلاق نہیں پاتا۔ پس

مومن اپنے عرفان کے آخری مقام پر بھی پہنچ چکا ہو وہ جو توحید کا کلمہ بیان کرتا ہے اس میں **لا الہ** سے بات شروع کرتا ہے۔ بعض تو ایسے صوفیاء بھی گزرے ہیں جنہیں اس بنا پر قتل کر دیا گیا۔ علماء کے فتویٰ کے نتیجے میں جن کا یہ دعویٰ تھا ابھی ہم **لا الہ** سے باہر ہی نہیں نکلے **الا اللہ** کی بات کیا کریں۔

یعنی ساری زندگی انہوں نے غور و فکر میں گزار دی اور وہ کہتے تھے کہ ابھی ہم اللہ کے اثبات والی منزل میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ ابھی تو **لا الـہ** کا جھگڑا ہی نہیں ختم ہوا طرح طرح کے **الـہ** نظر آتے چلے جاتے ہیں۔ ایک **الـہ** کو مٹاتے ہیں اس کے پیچھے سے دوسرا **الـہ** سر اٹھا لیتا ہے۔ تو ہم کیسے کہیں کہ **الا اللہ**۔

ایک مغل بادشاہ نے اس کے نتیجے میں ایک ایسے فقیر صفت انسان کو علماء کے مجبور کرنے اور فتویٰ دینے کے نتیجے میں قتل کروا دیا۔ تو سرمد ان کا نام تھا، نام تو کچھ اور تھا لیکن سرمد کہتے تھے کہ گویا وہ ہمیشہ کے زندہ رہنے والے انسان ہیں انہوں نے ہمیشگی پالی اس دنیا میں تو دیکھئے کہ **لا الہ** کا مقام کیا ہے اور مرتبہ کتنا بڑا ہے ذکر میں کہ بعض صوفیاء نے اپنی جانیں دے دیں اور اس مقام سے باہر ہی نہیں نکلے اپنا وجود مٹا دیا مگر اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ مضمون سمجھنے میں ابھی پوری دسترس ان کو حاصل نہیں ہے۔

الا الـلـہ جب کہتے ہیں۔ تو **لا الـہ** کا طبعی نتیجہ یا تو یہ نکلتا ہے کہ سب دنیا خلا ہے، کچھ بھی نہیں، کوئی حقیقت نہیں یا پھر یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے سوا کچھ بھی اور نہیں ہے۔ جو بھی ہم دیکھتے ہیں، اللہ ہی کا جلوہ ہے۔ اللہ ہی کے تعلق سے پھر چیزیں نیا وجود پکڑتیں ہیں اور ان کے سوا وجود کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ نہ محبت ہے، نہ نفرت ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں۔ یہ ہے ذکر اور جب اللہ کے ذکر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اللہ ہے کیا؟ یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اللہ کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ، احادیث کا مطالعہ، روزمرہ کائنات پر غور، یہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

پس خلاصۃً اسے سب سے بڑا ذکر اسی لئے قرار دیا ہے۔ اس میں ہر چیز شامل ہو گئی ہے۔ ذکر کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں جو **لا الہ الا اللہ** کے سائے سے باہر رہا ہو۔

اور **افـضـل الدعاء الحمد للہ**، دعا جو سب سے بڑی دعا **الحمد للہ** ہے اس کا ایک معنی تو یہ ہے یعنی ایک اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ صرف کلمہ **الـحـمـد للـہ** بیان فرمایا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں سورۃ فاتحہ مراد ہے اور نماز میں جو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم قرار دیا

گیا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز درحقیقت سب سے اعلیٰ دعا ہے اور اس دعا کا طریق سورۃ فاتحہ ہمیں بتاتی ہے۔سورۃ فاتحہ کے ذریعے دعا کامل ہوتی ہے۔

لیکن اگر صرف لفظ یعنی پہلا جملہ **الحمد لله** کو ہی یہاں منطوق سمجھا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا منشاء سمجھا جائے تو پھر اس کا یہ مطلب بنے گا کہ **حمد کے سوا کوئی دعا قبول نہیں ہوسکتی۔تو جب مانگتے ہو تو تعریف کرنا ضروری ہے۔** یہاں ایک انسانی فطرت میں جو جوہر پایا جاتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح فطرت، اپنی فطرت پر پیدا فرمایا ہے۔اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہم اگر اپنی فطرت کو جو پاک حالت میں ہو بگڑی نہ ہو اس کو پہچان لیں، اس پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ سے تعلقات کے راستے دکھائی دینے لگیں گے۔اللہ تعالیٰ سے تعلقات کے صحیح طریق سمجھ آنے لگیں گے۔جن معاملات میں انسانی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں جس طریق پر مضبوط ہوتے ہیں۔جن معاملات میں انسانی تعلقات کاٹے جاتے ہیں جن طریق پر کاٹے جاتے ہیں۔اگر انسان اپنے نفس میں ڈوب کر غور کرے تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے تعلقات استوار کرنے کا گر سیکھ سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں کیا کروں گا تو اللہ سے تعلق کاٹا جائے گا۔

الحمد لله کا مضمون تو ہر فقیر ہی نہیں بلکہ ہر شخص جانتا ہے۔جس نے کسی سے کچھ طلب کرنا ہو اس کی تعریف کرتا ہے۔ایک عاشق اپنے محبوب کے حسن کی تعریف کرتا ہے حالانکہ محبوب جانتا ہے شاید اس سے بھی زیادہ اس کو حسن پر زعم ہو جو عاشق جانتا ہو۔لیکن پھر بھی وہ تعریف کرتا ہے۔ایک فقیر جس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے۔پس اگر دنیا کے تعلقات میں تعریف طلب کے ساتھ ایک لازمی تعلق رکھتی ہے ایک اٹوٹ تعلق رکھتی ہے۔تو اللہ سے طلب کرتے وقت حمد کو نہ بھولنا۔**الحمد** ہی میں تمہاری دعاؤں کی قبولیت کا راز پایا جاتا ہے۔

یہ تو ہے پہلا سطحی معنی لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک **الحمد لله** میں محض یہ تعریف نہیں ہے جس کا ہم روزمرہ انسانی تعلقات میں ذکر کرتے ہیں بلکہ ایک ایسی تعریف ہے جس کا انسانی تعلقات سے تعلق ہی نہیں ہے۔سطحی طور پر یہ بات درست ہے جو میں نے عرض کی ہے لیکن زیادہ گہرائی میں عارف باللہ کو اس کے پیچھے ایک اور بات دکھائی دیتی ہے۔وہ یہ ہے کہ حمد حقیقت میں خدا

ہی کی ہے اور کسی چیز کی نہیں ہے۔ ایک شخص جتنا فقیر ہو اتنا زیادہ دینے والے کو اس پر رحم آتا ہے۔ جتنا ننگا ہو، جتنا بے اختیار ہو، بھوکا ہو کچھ بھی اس کے پاس نہ ہو۔ جتنی زیادہ بے بسی کی بے اختیاری کی حالت پائی جاتی ہے اتنا ہی دیکھنے والے کو رحم آتا ہے اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ بعض دفعہ سنگ دل آدمی بھی کسی کو ایسی بدحالت میں دیکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ نکال دیتے ہیں۔

تو **الحمد لله** بہترین دعا ہے، اس کے جو حقیقی معنی میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ اگر تم غور کرو تو تمہاری حمد ہے ہی کوئی نہیں۔ تم ہر چیز سے عاری ہو۔ اللہ نے جو کچھ دے دیا تھوڑا بہت اسی پر ناز کرتے پھرتے ہو تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ان معنوں پر غور کرتے ہوئے دل کی گہری سچائی سے بے اختیار تمہارے دل سے چیخ اٹھے کہ اے اللہ مجھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سارے جہان میں کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے مگر وہ جو تیری ذات سے اس کو عطا ہوئی اور جس میں تیری ذات جھلکتی ہے۔ پس **الحمد لله** تمام تر تعریف کلیۃً کامل تعریف ہر چیز تعریف سے تعلق رکھنے والی۔ تیری ہے ہماری کچھ بھی نہیں ہے۔

جب ایک عارف باللہ دل کی گہرائی سے یہ اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار اس میں شامل ہے کہ میں تو بالکل ننگا ہو گیا ہوں میرے پاس تو کچھ بھی نہیں رہا میں تو نہتا ہو گیا۔ ہر تعریف میں دل کی گہرائی سے سوچ سمجھ کر یقین سے تیرے پاک نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں تجھ میں ہے اور مجھ میں کچھ بھی نہیں۔ اس حالت میں اپنے وجود کو جب وہ خدا کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس پر رحم ایک لازمی بات ہے۔ انسان جب ایک دوسرے پر اس حالت میں رحم کر دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ تو بہت ہی رحیم و کریم اور رحمٰن و رحیم ہے۔ تبھی **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** کے بعد **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو حقیقت میں اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور دنیا کو تعریف سے خالی کرتے ہیں۔ اچانک وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب بہت رحم کرنے والا اور بہت ہی رحیم ہے۔ بار بار رحم کرنے والا ہے۔

تو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے جہاں جہاں بھی ذکر فرمایا ہے اس کا سرسری مطالعہ نہ کیا کریں بلکہ گہرائی میں اتر کر دیکھیں۔ تو مضامین کے جہاں ان میں پوشیدہ دکھائی دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے مسلم کتاب الذکر سے لی گئی ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا مع النبی صلی الله علیه وعلی آله وسلم فی سفر فجعل الناس یجهرون بالتکبیر

فقال النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لستم تدعون اصم و لا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا و ھو معکم. (مسلم کتاب الذکر حدیث نمبر:۴۸۷۳)

مسلم کتاب الذکر میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ بعض لوگوں نے بڑی بلند آواز سے تکبیر کہنا شروع کر دی۔ **اللہ اکبر، اللہ اکبر** کے ورد سے وہ ساری وادی گونج اٹھی ہوگی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا **ایھا الناس اربعوا علی انفسکم** اے انسانو! کچھ میانہ روی اختیار کرو، ایک بات میں حد سے زیادہ ایک طرف نہ جھک جایا کرو۔ میانہ روی کی راہ اختیار کرو۔ **انکم لستم تدعون اصم و لا غائبا** تم کسی بہرے کو تو مخاطب نہیں ہو رہے نہ کسی غائب کو مخاطب ہو رہے ہو۔ تم تو اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا ہے اور قریب ہے۔ **وھو معکم** وہ تو تمہارے ساتھ ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کرنا منع ہے۔ موقع اور محل کے مطابق بعض دفعہ بلند آواز سے تکبیر کرنا نہ صرف منع نہیں بلکہ ضروری ہو جایا کرتا ہے۔ جنگِ احزاب کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا وہ نعرہ جس کے نتیجے میں خوف زدہ ہو کر جو احزاب جمع ہوئے ہوئے تھے، قبیلوں کے لوگ وہ دوڑ پڑے ہیں۔ یعنی جس آواز سے ڈر کر پہلے کسی کے پاؤں اکھڑے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ سارے قافلے نے اپنے اپنے خیمے اکھڑ دیئے اور بعض سواریوں پر اس طرح سوار ہو کر دوڑنے کی کوشش کی کہ وہ کلوں کے ساتھ بندھی ہوئیں تھیں، بے حد افراتفری پیدا ہوئی ہے۔ اس کا آغاز نعرہ تکبیر سے ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم رات کو خیمے سے باہر آئے اور بلند آواز سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیا **اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر.** یہ نعرہ سن کے تمام صحابہ اس نعرے میں شامل ہو گئے اور اتنی شوکت تھی اتنی ہیبت تھی اس نعرے کی کہ دشمن سمجھا کہ ان کو غیب سے کوئی کمک آ گئی ہے۔

وہ کمک تو اللہ کی طرف سے آئی تھی اللہ کی طرف سے بشارت ملی تھی لیکن انہوں نے اپنی نادانی میں یہ سمجھا کہ دنیا جس سے وہ خوف کھاتے تھے دنیا کی مدد ان کو ملی ہے اور اس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ پس نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنا صرف اس روایت سے نہیں بلکہ اور بھی بہت سی روایات

سے ثابت ہے۔ جہاد کے دوران مسلمان نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے تھے اور دشمنوں پر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یہاں اور موقع ہے سفر میں جا رہے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کی تمنا پیدا ہوئی ہے۔ تو سب نے اونچی اونچی آواز میں **اللہ اکبر، اللہ اکبر** کہنا شروع کر دیا۔ اس سے خطرہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو خاموش ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے ذکر میں ایسے لوگ مخل ہو جاتے ہیں۔ یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اس کو ایک رسم ہی نہ بنا لیا جائے۔ جس طرح **اللہ ھو، اللہ ھو** کی آوازیں بلند کرنے والوں نے ذکر کی بجائے اس کو ایک رسم بنا لیا اور سننے والوں پر ہیبت طاری کرنے کی ایک بے وجہ کوشش کی گویا ہم بہت بزرگ ہیں اللہ کی ہیبت نہیں ہماری ہیبت سے ڈرو۔

پس ان رسومات کو قطع کرنے کے لئے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ دیکھو تم کس کو مخاطب ہو رہے ہو۔ اللہ کو؟ وہ تو بہرا نہیں ہے، وہ دور بھی نہیں ہے، بہرے کو اونچی آواز میں سناتے ہیں، جو دور ہو اس کو اونچی آواز میں پکارتے ہیں وہ تو نہ بہرہ ہے نہ دور ہے، تمہارے ساتھ ہے۔ تو یہاں ذکر کا انداز سکھایا گیا ہے۔ وہ ذکر الٰہی جو زیادہ تر دل میں کیا جاتا ہے اور زبان پر اگر اظہار ہو تو اتنا اونچا نہیں ہوا کرتا کہ جس سے ساتھیوں کے ذکر میں خلل واقع ہو جائے اور غالباً خلل ہی کا مضمون ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے تہجد کے وقت بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے ایک کو فرمایا کہ تم ذرا اونچا کرو تھوڑا سا تا کہ رات کا وقت ہے مراد یہ تھی کہ کہیں دل میں سوچتے سوچتے نیند ہی نہ آجائے۔ کچھ ہلکا سا زبان پر بھی ذکر جاری ہو اور جو اونچی آواز سے کر رہے تھے ان کو فرمایا کہ اتنا اونچی نہ کرو دھیما دھیما، ذرا تحمل سے، تھوڑا تھوڑا پڑھو۔

تو ہر موقع و محل کے مطابق حضرت اقدس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے ایک نصیحت کو موقع محل سے ہٹا کر اس سے نئے استنباط کرنا جائز نہیں ہے۔ جو نسبتاً کم علم لوگ ہوں وہ چھوٹی بات پر زیادہ اچھل جاتے ہیں اور علماء کو میں نے دیکھا ہے کہ حدیث کا ایک پہلو پکڑ لیا اسی پر شور مچاتے چلے جاتے ہیں۔ سوچتے نہیں کہ وہ ایک موقع سے تعلق رکھنے والی حدیث ہے ایک اور موقع سے تعلق رکھنے والی ویسی ہی حدیث اور معنے رکھتی ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے کلام میں نتیجہ نکالنے میں جلدی نہیں کرنی

چاہئے۔ کسی نے یہ حدیث پڑھ لی اور فرض کریں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا نعرہ ہائے تکبیر بلند ہو رہے ہیں۔ اٹھ کے کھڑا ہو گیا کہ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ تو اکثر تھڑ دل لوگ، چھوٹے دل لوگ چھوٹے سے علم پر اچھل جاتے ہیں اور بے وجہ اٹھ کر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ آنحضورؐ کے کلام کو نہ صرف گہرائی میں جا کر اس کا معنی تلاش کرنے کی کوشش کریں بلکہ اس کے گرد و پیش پر بھی نظر ڈالا کریں۔ کون سا موقع تھا کیا محل تھا جس میں وہ بات فرمائی گئی اور اس کے مطابق پھر نتیجہ اخذ کیا کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

عن ابی هريره رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وعلى آله وسلم قال سبعة يظلهم الله تعالىٰ فى ظله يوم لا ظل الا ظله الامام العادل و شاب نشأ بعبادة الله و رجل قلبه معلق بالمساجد. (مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر:۱۷۱۲)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا کہ سات ایسے انسان ہیں جن پر ایک ایسے دن خدا کا سایہ ہوگا جس دن خدا کے سائے کے سوا کوئی اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جبکہ سب ملکیتیں خدا کی طرف لوٹ جائیں گی۔ کوئی مجازی سایہ بھی میسر نہیں ہوگا سوائے خدا کے سائے کے۔ فرمایا سات ایسے انسان ہیں جن کو وہ سایہ نصیب ہوگا جن پر خدا کی رحمت سایہ فگن ہوگی۔ **امام عادل**، امام ہو اور عادل ہو، عدل کرنے والا ہو۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ایسا امام ہو جو شریعت کے مطابق حکومت کرے۔ حکومت کا خلاصہ یہ ہے کہ عدل ہو اور وہی امام خدا کے سایہ فضل تلے ہوگا۔ جو عدل سے حکومت کرے۔

پھر فرمایا **و شاب نشاء فی عبادتة الله تعالىٰ** ۔ اور وہ جوان جو جوانی ہی میں راتوں کو اٹھ کے خدا کی عبادت کرنے والا ہو۔ **و رجل قلبه معلق بالمساجد** اور ایسا شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہے۔ ایک نماز کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، چوتھی، پانچویں اور پھر دوبارہ یہی سلسلہ شروع۔ ہر روز ہر وقت نماز کی طرف دھیان رہے کہ اب کون سی نماز آنے والی ہے اب کون سی نماز آنے والی ہے اور بار بار مسجدوں کے پھیرے لگانے والا ہو۔ فرمایا ایسا شخص بھی

قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سایہ تلے ہوگا۔

ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا الیہ وتفرقا الیہ ۔اور دو ایسے شخص جو اللہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں یعنی **لا الہ** والا وہی مضمون جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا۔ ساری محبتیں مٹ گئی ہیں مگر اللہ کی محبت کے نتیجے میں جو محبتیں پیدا ہوتیں ہیں وہ نہیں مٹیں۔ تو زیادہ قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوتیں۔ دو ایسے مرد جو محض اللہ کے لئے محبت کرتے ہوں۔ اسی محبت میں وہ ایک دوسرے سے ملیں اور اسی محبت میں ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

ورجل دعتہ امراۃ ذات منسب و جمال فقال انی اخاف اللہ اور وہ شخص جسے ایک صاحبِ منصب، صاحبِ عزت اور صاحبِ جمال عورت اپنی طرف بلائے اور وہ اسے کہے کہ **انی اخاف اللہ** کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یہاں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس مضمون میں جو جو بھی داخل ہے ان سب کی طرف۔ **ورجل تصدق بصدقة فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ** ایسا شخص جو اس طرح صدقہ دے کہ اسے چھپا لے دنیا کی نظر سے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ پتا نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔ **ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ** اور اس شخص پر بھی اللہ کی رحمت کا سایہ دراز ہوگا جو اکیلا ہو، تنہائی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں اس محبت کے نتیجے میں۔

پس یہ سات ہیں۔ جن پر خدا کی رحمت کا سایہ ہوگا اور ان میں، آخر پر جو میں نے ذکر کیا ہے۔ یہ ہے ذکرِ الٰہی کا انداز یعنی خدا کو علیحدگی میں جب کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو۔ اس طرح پیار سے یاد کیا جائے کہ بے اختیار محبت کے آنسو آنکھوں سے رواں ہو جائیں اور ایسے ذکر کرنے والے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے خوشخبری دی ہے کہ یقیناً قیامت کے دن جب کوئی سایہ میسر نہ ہوگا۔ اللہ کی رحمت کا سایہ ایسے شخص پر دراز ہوگا۔

ترمذی کتاب الدعوات میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم قال ینزل ربنا تبارک و تعالی کل لیلة الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسالنی فاعطیہ ومن

یستغفرنی فاغفرلہ. (ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر:۱۲۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب رات کو سماء الدنیا کی طرف اس وقت اترتا ہے **حین یبقی ثلث اللیل الاخر** کہ رات کا آخری تہائی ابھی باقی ہوتا ہے یعنی وہ وقت جو تہجد کا وقت ہے اس سے تہجد کے وقت کی تعین بھی ہوگئی کہ پوری رات کو اگر تین حصوں میں تقسیم کردیں۔ تو آخری تیسرا حصہ جو ہے وہی دراصل معروف اور مستحب تہجد کا وقت ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں ہمارا رب نازل ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے **من یدعونی فاستجیب لہ** کون ہے جو مجھے پکارتا ہے تاکہ میں اس کی پکار کا جواب دوں۔ معین شخص نہیں ہے کہ جس کی پکار کا میں جواب دے رہا ہوں یا دیتا ہوں یعنی اس تلاش میں آواز دیتا ہے۔ کون ہے مجھ سے محبت کرنے والا میں میدان میں اس کو اجر دینے کے لئے آ گیا ہوں۔ پس مجھے بلانے والا ہے کون جس کی آواز کا میں جواب دوں۔

افسوس ہے کہ نبوت سے زمانہ جتنا دور چلا جاتا ہے۔ اتنا ہی یہ میدان خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور حقیقت میں اللہ کی محبت میں اٹھنے والوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ پس ایسے وقت میں جہاں نبوت سے دوری یعنی وقتِ نبوت سے دوری اپنی ذات میں ایک محرومی ہے۔ وہاں ایک پہلو سے وہ غیر معمولی فضل بھی بن جاتی ہے کیونکہ جب ایسے وقت میں خدا کی خاطر اس کی محبت میں اٹھنے والے کم ہورہے ہوں اگر کوئی اٹھے اور اس کی آواز کا جواب دے تو وہ عام لوگوں کے مقابل پر زیادہ فیض پاتا ہے کیونکہ جنس جتنی کم ہوتی جاتی ہے قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ پس یہ مضمون یہاں بھی صادق آتا ہے۔ اللہ تو اتر آیا ہے لیکن مانگنے والے نہیں ہوتے۔ فرمایا اس وقت خدا فرماتا ہے وہ کون ہیں مجھ سے مانگنے والے، وہ کہاں ہیں، میں آ گیا ہوں تاکہ میں ان کی دعاؤں کو قبول کروں۔

من یسالنی فاعطیہ کون ہے جو مجھ سے سوال کرتا ہے تاکہ میں اسے عطا کروں۔

ومن یستغفرنی فاغفرلہ۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کررہا ہے تا میں اس کی بخشش کو قبول کروں، اس کی استغفار کو قبول کروں اور اسے بخشش دوں۔

عن جابر بن عبد اللہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فقال یا ایھا الناس ارتعوا فی ریاض الجنۃ قلنا

یارسول اللہ ما ریاض الجنة . (حدیقۃ الصالحین صفحہ:۹۲)

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ایک دفعہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو! جنت کے باغات میں چرو، جس طرح بھیڑ بکریاں چرتی ہیں۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ جنت کے باغ ہے کیا چیز؟ جہاں جا کر ہم چریں۔ فرمایا۔ **قال مجالس الذکر** ، ذکر کی مجلسیں، ذکر کی مجلس لگاؤ۔

جو پہلا مضمون تھا وہ اکیلے یاد کرنے کا تھا۔ یہاں مجلسوں میں یاد کرنے کا ذکر ہے اور اسے ریا کاری نہیں فرمایا گیا بلکہ محبت کے تقاضے کے نتیجے میں بعض دفعہ دو عشاق ایک دوسرے سے مل بیٹھتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے کہ

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار ہم چلاؤں ہائے دل

تو محبت میں یہ مضمون شامل ہے کہ بعض دفعہ تنہائی میں علیحدہ ہو کر ایک مجنون صحراؤں میں نکل جاتا ہے اپنے محبوب کی یاد میں، کبھی وہ اپنے جیسوں کی تلاش کرتا ہے کہ آؤ مل بیٹھ کر اپنے پیارے کا ذکر کریں۔ تو ریاض فرمایا جس کا مطلب ہے باغ۔ ایسی جگہ جہاں ایک جیسے اور بھی بہت سے وجود پائے جاتے ہیں ملتے جلتے خوبصورت پھول اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ **ریاض الجنة** میں جا کر چرا کرو۔ پوچھا وہ **ریاض الجنة** کیا ہے تو فرمایا کہ ذکر کی مجالس لگاؤ۔

قال اغدوا وروحوا و ذکروا من کان یحب ان یعلم منزلته عند اللہ تعالیٰ. (حدیقۃ الصالحین:۹۲)

فرمایا صبح بھی ایسا کرو اور شام کو بھی ایسا کرو اور اللہ کو ہر وہ شخص یاد کرے **من کان یحب ان یعلم منزلته عند اللہ تعالیٰ** ۔ اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے مقام کو خدا کے حضور معلوم کرے کہ وہ ہے کیا؟ یہ بہت ہی گہرا مضمون ہے اس پر ٹھہر کر غور کریں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ کتنا عظیم نقطہ سمجھایا جا رہا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں خدا سے تعلق ہے خدا کو بھی ہم سے تعلق ہوگا اور بعض تعلق نہ ہونے کے باوجود بھی سمجھتے ہیں کہ خدا کا ہم سے لازم ہے تعلق۔ جیسے یہود دعویٰ کیا کرتے تھے یا عیسائی ایک زمانے میں دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ہی ہیں جو خدا کو پیارے ہیں۔ جو چاہئیں ہم کرتے پھریں ہمیں

اس کی کھلی چھٹی ہے تو ایسے پیارے جن کو یقین ہو کہ ہر حال میں ہم سے پیار کرنے والا ضرور پیار کرے گا۔ بجائے پاک وصاف ہونے کے گنہگار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

ایسے بچے جو ماں باپ کی اندھی محبت پر ایمان رکھتے ہوں اور یہ دعوے کرتے پھریں کہ ہم فلاں کے بیٹے ہیں کون ہے جو ہمیں پوچھ سکے، ہم جو چاہئیں کریں۔ وہ بھٹک جایا کرتے ہیں اور اکثر ان کا انجام گنہگاری پر ہوتا ہے یا جرائم پر ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی نہیں ہے کہ کوئی قوم ایسا دعویٰ کر بیٹھے کہ ہم خدا کے احباء ہیں کون ہے جو ہم پہ ہاتھ ڈال سکے۔ کون ہے جو ہم پہ تنقید کرے ہم جو چاہئیں کرتے پھریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ اللہ سے تعلق ایسے نہیں ہوا کرتے۔ تم خدا کا ذکر کیا کرو اور پھر اس ذکر کے نتیجے میں تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا اللہ سے کیا تعلق ہے۔ اللہ کو تم کیسے پیارے ہو۔ یہ مضمون بہت گہرا ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کہ اے میرے بندو! میرا ذکر کیا کرو میں اس کے جواب میں تمہارا ذکر کروں گا۔

پس اگر ایک انسان سچا ذکر کرتا ہے اور اس ذکر کے نتیجے میں خدا اس وعدے کو پورا فرماتا ہے کہ میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تب اس کی علامتیں اس کو دکھائی نہ دیں۔ تو اس کو صاف معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا خدا کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے یعنی اس کے ذکر ہی کو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پس اپنے ذکر کی حیثیت پہچاننے کے لئے آنحضرت نے کیسا معرفت کا نقطہ ہمارے سامنے رکھا کہ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں اگر تم اپنا مقام اپنا مرتبہ خدا کے حضور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ تمہاری منزل خدا کے حضور ہے کیا۔ تو ذکر کرو اور پھر اس کا جواب تمہیں ضرور ملے گا۔ یہ بات اس میں حذف ہے پر شامل ہے۔ مگر جس طرح میں نے آیتِ کریمہ بیان کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کی کوئی بھی نصیحت بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کے اپنی ذات میں آپ کے وجود سے نہیں پھوٹا کرتی تھی۔ ہر نصیحت کا منبع اللہ تعالیٰ کا کوئی الہام، کوئی وحی ہوا کرتا تھا۔

اور احادیث کو اگر قرآن کریم میں تلاش کریں تو ہر حدیث کی جڑ آپ کو قرآن کریم میں ملے گی۔ پس اس پہلو سے اس آیت کریمہ سے ملا کر اس حدیث کا یہ مطلب سمجھتا ہوں کہ تم اگر سچا ذکر

کرنے والے ہو اگر سچا عشق ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تمہارا ذکر نہ کرے۔ جب ایک پیارے کا ذکر کرتے ہو تو پیارا تمہارا ذکر کرتا ہے۔ اگر اس کو قبول کرلے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

مائیں کہتی ہیں ہمارے بچے نے ہمیں اس طرح یاد کیا اس لئے کہ ان کو پیار ہوتا ہے اور کوئی بے حیا اگر ان کا ذکر کرتا تو وہ اس کے ذکر سے شرماتیں ہیں بجائے اس کے کہ اس کا ذکر کریں۔ پس خدا تعالیٰ کے حضور اپنے ذکر کا مقام معلوم کرنا ہو۔ یہ مراد ہے تو ذکر کر کے دیکھو اگر خدا کا جواب ملے گا ویسا ہی سلوک اللہ تم سے فرمائے گا تو یقین کرنا کہ پھر تم صحیح رستے پر چل رہے ہو اور تمہارا ذکر سچا تھا۔

"فلينظر كيف منزلة الله تعالىٰ عنده فان الله تعالىٰ ينزل العبد منه حيث انزله من نفسه " (حدیقۃ الصالحین :۹۲)

اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وہی مقام اپنے پاس عطا فرماتا ہے جیسا خدا کا مقام اس بندے کے ہاں ہے۔ یعنی جو سچی عزت اللہ کی کی ہے جو سچا مقام اس کو اپنے دل میں دیا ہے۔ ویسا ہی مقام تمہارا خدا کے دل میں بنتا چلا جائے گا۔

پھر حضرت ابی رزینؓ کی روایت ہے کہ **انه قال رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم.** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ابی رزینؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"الا ادلك على مليك هذا الامر الذى تصيب به خير الدينا والاخرة "

کہ ابی رزین کیا میں تجھے وہ بنیاد نہ بتاؤں جس پر اس امر کا انحصار ہے کہ تو دنیا میں بھی خیر پا جائے اور آخرت میں بھی خیر پا جائے۔ **مليك** کہتے ہیں وہ چیز جس پر کسی چیز کی بنا ہو۔ فرمایا میں تمہیں اس بات کی بنیاد نہ بتادوں۔ جس پر یہ بات منحصر ہے، جس بنیاد پر کہ تجھے دنیا میں بھی خیر پہنچے اور آخرت میں بھی خیر پہنچے۔ یہ سوال اٹھانے کے بعد جواب کا انتظار کئے بغیر آنحضرت ﷺ نے پھر وہ بنیاد کی وضاحت فرمانی شروع کی۔ فرمایا۔

عليك بمجالس اهل الذكر. تجھ پر فرض ہے کہ وہ مجلسیں جو اللہ کے ذکر کے لئے

لگائی جاتی ہوں وہاں ضرور پہنچا کر۔ان مجالس سے تعلق رکھ،ان سے وابستہ رہ۔**و اذا خلوت فحرک لسانک ما استطعت بذکر الله.** پس جب تو اکیلا ہو تو اپنی زبان کو جہاں تک ممکن ہے اللہ کے ذکر کے ساتھ حرکت دیا کر۔ **و احب فی الله و ابغض فی الله**۔اور اللہ ہی کی خاطر محبت کیا کر اور اللہ ہی کی خاطر بغض کیا کر۔**یا ابا رزین**۔اے ابورزین۔

”ھل شعرت ان خرج رجل من بیته طائرا اخاہ شیعه سبعون الفا ملک کلھم یصلون علیه ویقولون ربنا انه ذکر فیک فصله فان استعت ان تعمل جسدک فی ذالک ففعل.“

(مشکوۃ کتاب الآداب باب الحب فی اللہ و من اللہ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابی رزین کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا شخص جو اپنے گھر سے نکلا کسی دوسرے بھائی کو ملنے کے لئے ،محض اللہ کی محبت میں اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے چلتے ہیں۔ جو اس پر درود بھیجتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب اس نے تیری خاطر تعلقات باندھے ہیں۔**فصله** تو اپنا تعلق اس سے باندھ لے۔یعنی خدا سے اپنا تعلق بڑھانے کا ایک اور ذریعہ یہ ہاتھ آیا کہ خدا کی محبت میں اگر آپ انسانوں سے تعلق باندھتے ہیں تو جتنا تعلق باندھتے ہیں فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اللہ اپنا تعلق اور تو ان سے بڑھا دے۔

فان استطعت ان تعمل جسدک فی ذالک ففعل۔اگر اے ابی رزین اگر تجھ میں طاقت ہے کہ اس معاملے میں جو میں بیان کر رہا ہوں اپنا سارا وجود جھونک دے تو بے شک جھونک دے،کوئی نقصان کا سودا نہیں۔تمام تر طاقتوں کے ساتھ اس بات میں کھویا جا اور یہ ایک بہترین سودا ہے اس کے بارے میں کوئی تردد کی ضرورت نہیں۔

یعنی وہ باب جو اس بات میں باندھا گیا ہے کہ اللہ کی خاطر محبت اور اللہ ہی کی طرف سے محبت۔اب باقی مضمون انشاء اللہ بعد میں بیان کروں گا۔ایک ضروری اعلان کرنا ہے۔آج ظہر کے بعد عصر پڑھی جائے گی جیسا کہ آج کل دن چھوٹے ہیں جمع ہو رہی ہے اور اس کے بعد دو جنازہ ہائے غیب ہوں گے۔

ایک جنازہ مکرم شیخ محمد حنیف صاحب کا ہے۔کوئٹہ کی جماعت کے تقریباً 28 سال امیر

رہے ہیں اور آج صبح اطلاع ملی ہے کہ اچانک وفات ہوگئی ہے۔ اچانک تو نہیں کہنا چاہئے لمبے عرصے سے گردے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ ان سے میرا بہت پرانا تعلق تھا اور اس تعلق کی بنا ان کا اخلاص اور خلافت سے ان کی وابستگی تھی۔ اتنا گہرا عشق تھا خلافت سے اور ایسی وابستگی تھی کہ یہی ہمارے تعلق کی بنا بنی اور اسی پر آخر اختلاف بھی ہوا۔ اس کا مختصر ذکر کروں گا تا کہ ان کو دعا میں یاد رکھیں اس ذکر میں اور یہ ایک قسم کی حب فی اللہ و بغض فی اللہ والی مثال بھی سامنے آجاتی ہے۔

بغض کی حد تک نعوذ باللہ نہیں تھا لیکن اختلاف تھا، تھوڑا بھی تھا، اسی بناء پر تھا۔ ایک مرکزی بنیادی اصول پر جو اللہ کی خاطر قائم تھا۔ اس میں آپ کچھ اور طرف سے دیکھتے تھے اور میں کچھ اور طرف سے دیکھتا تھا۔ آپ لمبا عرصہ تک صد سالہ جوبلی کمیٹی کے صدر رہے۔ قضاء بورڈ کے ممبر رہے۔ خلافت کمیٹی کے ممبر رہے۔ قرآن مجید کی منتخب آیات اور حدیث کا ترجمہ بلوچی زبان میں کیا۔ کوئٹہ کی امارت کے دوران بڑے بڑے وہاں فتنے پیدا ہوئے بہت ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ غیروں کی طرف سے جو بار بار سخت ابتلاء جو جماعت پر لادے گئے۔ ان ابتلاؤں میں آپ بھی ثابت قدم رہے اور جماعت کو بھی ثابت قدم رکھا۔ بڑے حوصلے اور صبر اور ہمت کے ساتھ ان سے مقابلہ کیا۔

خلافت کے ساتھ آپ کا جو گہرا تعلق تھا اس کی میں مثال دیتا ہوں کہ پہلے کی بات ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے زمانے میں ہمیشہ ہمارے گھر ٹھہرتے تھے آکے۔ ربوہ جب بھی آتے تھے، بہت ہی محبت اور پیار کا تعلق تھا۔ ایک معاملے میں میں نے ایک ان کو ایسی بات لکھی کہ جواباً مجھ پر ہی برس پڑے یہ سمجھتے ہوئے کہ گویا میں نے خلافت کی کماحقہ عزت میں کچھ کمی دکھائی ہے۔ ایسی ننگی تلوار تھے خلافت کے ادب اور احترام کے حق میں پھر میں نے ان کو سمجھایا پھر سمجھ آئی پھر معذرت بھی کی۔ میں نے کہا آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ میں یہ بات کہہ رہا ہوں وہ نہیں کہہ رہا جس کا آپ کو خطرہ ہے اور اس خطرے کی وجہ سے بعض لوگوں سے یہ بدظن ہو جاتے تھے اور بعض مخلصین کو سمجھتے تھے کہ خلافت کا جیسا ادب اور احترام لازم ہے وہ نہیں کر رہے۔

اور جماعت میں اگر کوئی کہیں اختلافات پیدا ہوئے تو صرف ان کی اس عادت کی وجہ سے ہوئے ورنہ یہ جماعت کے ایسے عاشق، ایسے خدمت کرنے والے تھے کہ جماعت بھی مقابل پر فدائی تھی اور اسی بنا پر پھر مجھ سے اختلاف ہوا۔ میں نے ان کو سمجھایا دوسروں کے ذریعے پیغام بھجوائے۔

میں نے کہا کہ جماعتِ احمدیہ کی اکثریت خلافت کی عاشق ہے ان کی بعض باتوں میں بعض اختلافات میں اور محرکات ہوں گے خلافت سے دوری نہیں ہے۔ آپ ضرورت سے زیادہ اپنا رد عمل دکھاتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض نقصانات کا بھی خدشہ ہے اور بالآخر اسی بنا پر اسی اختلاف کی وجہ سے امارت کوئٹہ سے پھر یہ لمبے عرصے کی خدمت کے بعد جدا ہوئے اور لاہور جا کر پھر وہیں سکونت اختیار کر لی۔

بہت اچھے ہومیو پیتھ تھے اور ہومیو پیتھی مجھ سے ہی سیکھی تھی مگر بہت جلد مجھے سکھانے لگ گئے تھے۔ اور نئے نئے نقطے بتایا کرتے تھے مگر بہت ہی ہر دلعزیز تھے، فوج میں خاص طور پر آپ کے مریض بھی بڑی کثرت سے تھے اور مرید بھی بڑی کثرت سے تھے۔ کوئٹہ میں اکثر سپاہی سے لے کر جرنیل تک ان کے مداح اور ان کے حلقہ بگوش تھے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ اپنے جسمانی روحانی مرضوں کے علاج کے لئے، لاہور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب چونکہ آخری دنوں میں اس وجہ سے ایک ہلکا سا ایک غلط فہمی کا سایہ درمیان میں حائل تھا کہ جس طرح یہ سمجھتے تھے کہ مجھے سے ہمیشہ تعلق رہا اور خلافت سے تعلق رہا اس طرح میں نے ان کے ساتھ گویا ویسا حسنِ سلوک نہیں کیا۔

ایک کمیشن مقرر کیا اس کو میں نے کہا کہ ہمارے تعلقات سے قطع نظر صرف یہ دیکھیں کہ جن جماعت کے افراد کے متعلق ان کا یہ ظن ہے کہ ان کو خلافت سے پورا تعلق نہیں ہے۔ یہ ظن درست ہے یا غلط ہے اور اگر غلط ہے تو سمجھائیں، چھوڑیں اس بات کو اللہ خود حفاظت کرے گا خلافت کی۔ تو جیسا کہ میں نے بیان کیا اصل میں اپنے بزرگ والد سے انہوں نے خلافت کا عشق ایسا ورثے میں پایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کنارے کی طرف زیادہ مائل ہو چکا تھا۔

اب دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کو جانے سے پہلے کس طرح پاک صاف دل کر کے بلاتا ہے۔ یہ ایسا عجیب واقعہ ہوا کہ چند ہفتے پہلے میری بچیوں نے ذکر کیا کہ شیخ صاحب جو ہمارے گھر آیا کرتے تھے وہ بہت اچھے انسان تھے اس قسم کی باتیں اس زمانے کی یادیں شروع کیں تو میں نے انہیں اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا کہ میں نے کہا کہ مجھے تو یہ تاثر ہے کہ شاید آپ کے دل میں کچھ ہلکا سا دوری کا پردہ آ گیا ہے۔ غلط فہمی کی وجہ سے حالانکہ مجھے آپ سے مسلسل اسی طرح ذاتی محبت ہے جیسے پہلے ہوا کرتی تھی بلکہ میری بچیوں کو بھی ہے اور وہ بچپن کی باتیں کر رہی تھیں۔ اس کے

جواب میں پھر ان کا بہت ہی پیارا اخلاص کا خط ویسا ہی ملا جیسے پرانے زمانے میں لکھا کرتے تھے اور اچانک ساری میل اگر تھی بھی تو دھل گئی تو بالکل دل صاف ہو گئے۔

پھر میں نے جواباً ایک خط ان کو لکھا وہ شاید ابھی رستے میں ہی ہوگا کہ ان کا وصال ہو گیا۔ تو میں سمجھتا ہوں وہ لوگ جو پاک دل ہوں للّٰہ محبت کرنے والے ہوں خواہ غلطی بھی ہو جائے اور اللہ بغض کرنے والے ہوں خواہ غلطی بھی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں سے پردہ پوشی فرماتا ہے اور ان سے رحم کا سلوک فرماتا ہے۔ بلانے سے پہلے ان کے سب حساب صاف کر دیتا ہے۔ ان کی تین بچیاں ابھی قابلِ شادی ہیں کُل آٹھ بچیاں ہیں جن میں سے پانچ کی شادی ہو چکی کی ہے اور تین ابھی باقی ہیں۔ ان کی بچی کا مجھے فون آیا تھا میں نے کہا پہلی بھی تو خدا ہی نے کروائیں تھیں سب خوش ہیں اپنی جگہ پہ، بہت نیک بچیاں ہیں۔ ان کی بھی خدا ہی حفاظت فرمائے گا خود سرپرستی کرے گا۔ گھبراؤ نہیں اور آپ بھی دعا میں اس بات کو پیشِ نظر رکھیں۔ ان کی بیوہ بھی بہت نیک، بہت ہی فدائی، بہت اخلاص کے ساتھ خدمت کرنے والی خاتون ہیں۔

ان کے علاوہ ایک جنازہ اور کوئٹہ سے جو کبریٰ بیگم کا ہے۔ بہت ہی مخلص خاتون تھیں۔ دعا گو اور سچی رؤیا دیکھنے والی اور مجھے کل ہی کسی نے بتایا کہ یہ وہ ہیں، جو بچپن میں ہمارے گھر رہا کرتی تھیں۔ کبریٰ ایک خاتون ہوتی تھیں لمبے قد کی جن کو میری امی سے بہت تعلق تھا اور بچپن کا ایک لمبا عرصہ وہ ہمارے گھر رہی ہیں۔ اس کے بعد پھر مجھے پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔ تو کل ہی مجھے ایک کوئٹہ کی خاتون نے بتایا کہ یہ وہی تھیں جو تمہارے گھر رہا کرتی تھیں۔ تو آج یہ دو کوئٹہ کے جنازے ہیں جن کی نمازِ جنازہ ہائے غائب انشاء اللہ عصر کی نماز کے معاً بعد ہوگی۔